POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 April 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 23-04-2024 • Price: 5/- • 1-14 May 2024 • Issue: 17,18 • Vol:83

یکم تا ۱۴ مئی ۲۰۲۴ء • شمارہ: ۱۷، ۱۸ • جلد: ۸۳

صحتِ زبان (۱۴)

رؤف پاریکھ

☆ استفادہ حاصل کرنا؟

بعض لوگوں کو بولتے سنا ہے "میں نے استفادہ حاصل کیا"۔ لفظ استفادہ کے معنی ہیں فائدہ اٹھانا، نفع حاصل کرنا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ استفادہ کے لفظ میں حاصل کرنے کا مفہوم موجود ہے اور اسی لیے احسان دانش نے "لغات الاصلاح" میں لکھا ہے کہ "استفادہ حاصل کیا" نہیں بولنا چاہیے۔ گویا یہ کہنا کافی ہے کہ "میں نے استفادہ کیا"۔ البتہ اردو کے بعض پرانے متون میں "استفادہ حاصل کیا" بھی ملتا ہے اور اسی لیے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس طرح بھی درست ہے۔ بہرحال اب عمومی رجحان "استفادہ کیا" کو ترجیح دینے کا ہے۔

☆ مُترجِم یا مُترجَم؟

پہلے تو یہ وضاحت کر دی جائے کہ اس لفظ کے املا میں تشدید بالکل شامل نہیں ہے۔ بعض لوگ اسے مترّجم یا مترجّم (یعنی جیم پر تشدید کے ساتھ) پڑھتے یا لکھتے ہیں جو غلط ہے۔ لفظوں کے ساتھ یہ تشدید درست نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس لفظ میں حرف میم (م) پر پیش اور تے (ت) پر زبر ہے البتہ رے (ر) ساکن ہے۔ اگر اس لفظ میں جیم کے نیچے زیر لگایا جائے یعنی مُترجِم (م-ت-ر-ج-م) پڑھا جائے تو اس کا مطلب ہوگا جو ترجمہ کرے، ترجمہ کرنے والا۔ لیکن اگر اس میں جیم پر زبر ہو یعنی مُترجَم (م-ت-ر-ج-م) تو اس کا مطلب ہوگا: جس کا ترجمہ کیا گیا ہو، ترجمہ کیا ہوا، ترجمہ شدہ۔

ایک اور لفظ مترجِم اور مترجَم کے آخر میں "ہ" کے اضافے سے بنا ہے۔ یعنی اگر مترجم (ترجمہ کرنے والا) کے آخر میں "ہ" کا اضافہ کر کے لفظ "مترجمہ" پڑھا جائے تو یہ مترجم کی تانیث ہوگی یعنی ترجمہ کرنے والی، وہ خاتون جو ترجمہ کریں۔ لیکن اگر اس میں جیم پر زبر ہو یعنی "مترجَمہ" پڑھا جائے تو مفہوم ہوگا وہ (کتاب) جس کا ترجمہ کیا گیا ہو، ترجمہ کی گئی، ترجمہ کی ہوئی۔ قرآن شریف اگر ترجمے کے ساتھ ہو تو اسے مترجَم (جیم پر زبر) کہتے ہیں۔ کوئی کتاب ترجمہ کی ہوئی ہو تو اسے مترجَمہ (جیم پر زبر) کہتے ہیں۔ مترجِم (ترجمہ کرنے والا) کی جمع مترجمین ہے۔ ترجمہ کی جمع تراجم (تے پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) ہے۔

اردو والے ترجُمہ (جیم پر پیش) بولتے ہیں لیکن عربی میں ترجَمہ (جیم پر زبر) ہے۔ اگرچہ صاحبانِ قاموس الفاظ کے مطابق "ترجَمہ" یعنی جیم پر زبر درست ہے اور ترجُمہ یعنی جیم پر پیش بولنا "غلطِ مشہور" ہے لیکن اردو بول چال کا کیا کیا جائے کہ عالم فاضل بھی جیم پر پیش بولتے ہیں اور اسی کو اب درست سمجھا جاتا ہے۔ بے شک عربی میں جو بھی درست ہو، اردو میں جیم پر پیش ہی بولا جاتا ہے۔ ہاں جب عربی بولیں گے تو عربی کے تلفظ کا لحاظ کریں گے مگر ابھی تو اردو بول رہے ہیں۔

تو یاد رہے کہ جو مرد ترجمہ کرے وہ مترجِم (جیم کے نیچے زیر) ہے اور اگر کوئی خاتون ترجمہ کریں تو وہ مترجِمہ (جیم کے نیچے زیر) ہیں۔ ترجمہ کی گئی کتاب مترجَمہ (جیم پر زبر) ہے یا مترجَم (جیم پر زبر)۔ لیکن ان میں سے کسی بھی لفظ میں تشدید نہیں لگائی جائے گی۔

☆ مَرَض یا مَرْض؟

اس لفظ کو لوگ عام طور پر مرْض بولتے ہیں یعنی میم (م) پر زبر اور رے (ر) ساکن کے ساتھ۔ لیکن اردو میں اس کا درست تلفظ مَرَض ہے یعنی میم (م) اور رے (ر) دونوں پر زبر ہے۔ نہ صرف یہ کہ اردو کی مستند لغات میں اس کا تلفظ رے (ر) پر زبر کے ساتھ دیا گیا ہے بلکہ اگر لفظ مرض میں حرف رے (ر) کو مفتوح کے بجائے ساکن پڑھا جائے تو شعر کی صورت میں مصرعے کا وزن بھی بگڑ جائے گا۔ مثلاً مرزا کربلی مضطر کا شعر مشہور ہے:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اگر اسے مرْض (رے پر جزم) کے بجائے مرَض (رے پر زبر) پڑھا جائے تو پہلے رکن کا وزن مفاعیلن نہیں رہے گا جب کہ اس کی بحر مفاعیلن مفاعیلن فعولن ہے۔

لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس شعر کا پہلا مصرع عام طور پر یوں پڑھا جاتا ہے:

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی

لیکن یہ متن درست نہیں ہے اگرچہ مشہور بہت ہے۔ شمس الحق صاحب نے اس کا یہ متن دیا ہے:

وصالِ یار سے دونا ہوا عشق

اور یہی درست ہے کیوں کہ انھوں نے تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا کا حوالہ دیا ہے جو سعادت علی خاں ناصر کا مؤلفہ ہے اور جسے مشفق خواجہ صاحب نے مرتب کیا تھا۔

کہنا یہ تھا کہ درست تلفظ مرَض ہے رے پر زبر کے ساتھ۔ اللہ کرے آپ لفظ "مرَض" صحیح تلفظ کے ساتھ بولا کریں اور اللہ آپ کو ہر طرح کے امراض سے محفوظ رکھے (آمین)۔

☆ مَنّت یا مِنّت؟

دونوں درست ہیں لیکن دونوں کا مفہوم الگ ہے۔ منّت (میم پر زبر کے ساتھ) اردو (یا پراکرت یا ہندی کہیے) کا لفظ ہے اور یہ "ماننا" سے بنا ہے۔ اسی لیے اردو میں اسے "مانتا" اور "منتا" بھی کہتے ہیں اگرچہ جدید اردو میں منت کا استعمال زیادہ ہے اور منتا یا مانتا کا بہت کم۔ منت کا مطلب ہے عہد، قسم، وعدہ۔ یہ کسی نذر یا نیاز یا بھینٹ کا عہد کرنے کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے۔ منت ماننا محاورہ ہے۔ کسی مراد یا خواہش کی تکمیل کے لیے منت (میم پر زبر) مانی جاتی ہے، جیسے اس نے کامیابی کے لیے منت مانی ہے۔ منت پوری کرنا بھی محاورہ ہے۔ مراد پوری ہونے پر جب عہد کے مطابق کوئی نذر نیاز کی جائے تو اسے منت پوری کرنا کہتے ہیں۔

جب کہ مِنّت (میم کے نیچے زیر) کا مفہوم فارسی اور اردو میں ہے: التجا، التماس، عاجزانہ درخواست، نیز عاجزی، خوشامد۔ یاد رہے کہ منّت (میم پر زبر) "مانی" جاتی ہے لیکن مِنّت (میم کے نیچے زیر) "کی" جاتی ہے، جیسے: میں نے اس کی بہت منت کی۔ منت کرنا سے مراد ہے عاجزانہ درخواست کرنا، کسی سے بھلائی یا احسان کی درخواست کرنا۔ لفظ مِنّت کی اصل عربی کا لفظ مِنّۃ (یعنی م مکسور، نون مشدد و مفتوح اور تائے مربوطہ) ہے اور اس کے معنی احسان اور بھلائی کے ہیں لیکن اردو میں

پر خوشامد یا عاجزی التماس کے مفہوم میں رائج ہے اور اردو کی حد تک یہ درست ہے۔

اس لفظ کے عربی مادّے کے بارے میں ہمیں کچھ تردد تھا۔ اگرچہ عربی لغات میں اس کا مادّہ 'م۔ن۔ن' دیا گیا ہے اور مفہوم ہے احسان کرنا یا بھلائی کرنا نیز احسان جتانا۔ لیکن ہمیں کچھ خیال تھا کہ اس کا مادہ کہیں 'م۔ن۔ت' نہ ہو لہٰذا لاہور کے عربی کے ایک بہت بڑے عالم ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب (لاہور) کو ہم نے زحمت دی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کا مادہ 'م۔ن۔ن' ہی ہے۔ لفظ منّان اسی سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے اور جس کا مطلب ہے بہت احسان کرنے والا۔ ہم نے کہا کہ لفظ منت کی عربی شکل یعنی منۃ کے آخر میں تاے مربوطہ (یعنی گول ۃ جو پچھلے حرف سے ملا کر لکھی جاتی ہے جیسے منۃ میں) اسے تاے موقوفہ بھی کہتے ہیں) دیکھ کر خیال آیا کہ اس کا مادہ 'م۔ن۔ت' تو نہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے بڑی آسانی سے سمجھایا کہ کسی عربی لفظ کے مادّے میں اگر 'ت' شامل ہو تو اسے تاے مربوطہ کی طرح نہیں لکھا جاتا بلکہ تاے طویل (یعنی تاے قرشت یا تاے دراز) ہی لکھی جاتی ہے، جیسے لفظ 'وقت' میں (وقت کا مادہ 'و۔ق۔ت' ہے)۔ البتہ بعض الفاظ ایسے ہیں جو قرآن کریم میں آئے ہیں ان میں سے بعض تاے دراز سے اور بعض تاے مربوطہ سے لکھے ہوئے ہیں۔ دراصل انھیں قرآن کے ابتدائی دست نوشتہ نسخوں میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جیسے لکھ دیا اس کا احترام ملحوظ رہا اور اسے اسی انداز کتابت یا رسم الخط میں لکھا جاتا ہے جسے رسم مصحف کہتے ہیں۔ لیکن مصحف (م پر پیش، ص ساکن اور ح پر زبر، یعنی قرآن شریف) کے اس تاریخی انداز کتابت کو چھوڑ کر اصول یہی ہے کہ مادّے میں شامل 'ت' کبھی بھی گول نہیں لکھی جائے گی بلکہ لمبی لکھی جائے گی۔ گویا لفظ منۃ میں لکھی ہوئی تاے مربوطہ اس کے مادّے میں شامل نہیں۔ اگر ہوتی تو اسے عربی میں بھی 'منت' لکھا جاتا یعنی لمبی 'ت' سے۔ اس لیے اس کا مادہ 'م۔ن۔ت' نہیں ہو سکتا۔ ایسے جید استادوں کی بتائی ہوئی ایسی کام کی باتیں ہم جیسے طالب علموں کو پلے باندھ لینی چاہییں۔ لیکن افسوس ایسے اساتذہ بھی اب خال خال ہی رہ گئے ہیں۔

فارسی اور اردو میں منت کا مفہوم احسان بھی ہے لہٰذا فارسی اور اردو میں ترکیب بنی منت کش، جس کے معنی ہیں احسان اٹھانے والا، وہ جس پر احسان کیا جائے، احسان مند، ممنون۔ اسی لیے اقبال نے کہا کہ

نہیں منت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

جو کسی کا احسان قبول کرلے یا احسان مند ہوا سے منت پذیر کہتے ہیں۔ اقبال کا شعر ہے:

گیسوے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزیِ پروانہ ہے

لطف کی بات یہ ہے کہ فارسی میں شانہ کا مطلب کندھا بھی ہے اور کنگھی بھی۔

☆ نقض یا نقص؟

جب کہیں کسی ہنگامے یا فساد کو خطرہ ہوتا ہے تو خبر آتی ہے کہ "نقص امن" (کذا) کے خطرے کے پیش نظر پولیس کو "الرٹ" کر دیا گیا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اردو کے جملے میں انگریزی کے لفظ الرٹ کے استعمال کی کیا ضرورت پیش آگئی جب کہ اردو میں اس کا مترادف (چوکنا یا ہوشیار) موجود ہے، درست لفظ نقض کے غلط استعمال کی طرف توجہ دلانی ہے۔

عربی کے لفظ نقص (ن۔ق۔ص) کا درست تلفظ نَقص (یعنی نون پر زبر) ہے۔ البتہ اردو میں بعض لوگ نون پر پیش کے ساتھ (نُقص) بھی بولتے ہیں۔ لیکن فرہنگ آصفیہ کے مطابق مشہور بضم نون ہے لیکن بفتح نون صحیح ہے۔ شان الحق حقی صاحب نے "فرہنگ تلفظ" میں اس کا تلفظ نون پر زبر کے ساتھ ہی دیا ہے۔ نقص کے اصل معنی ہیں کم ہونا، گھٹنا۔ نقص کا لفظ اردو میں کمی، کوتاہی، کجی، خامی، کسر، عیب، برائی، خسارہ اور نقصان کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ المنجد میں لکھا ہے کہ نقص اور نقصان میں یہ فرق ہے کہ نقصان کا لفظ دین یا عقل کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ عقل میں یا دین میں نقص ہوتا ہے، کاروبار میں نقصان ہوتا ہے۔ بالعموم یوں کہتے ہیں کہ اس چیز میں یا کام میں نقص ہے (کمی ہے یا عیب ہے)۔ لیکن جب مال چلا جائے تو کہتے ہیں نقصان ہو گیا۔

نقص کے آخر میں 'ص' ہے۔ لیکن عربی میں ایک اور لفظ ہے: نقض۔ اس کے املا میں صاد (ص) نہیں، ضاد (ض) ہے اور اس کے معنی ہیں: ٹوٹ پھوٹ، شکست، ریخت (لفظ شکست کا ایک مفہوم اردو میں ہار یعنی جیت کی ضد بھی ہے لیکن اس فارسی لفظ کے اصل معنی ٹوٹ پھوٹ ہی کے ہیں۔ شکست فارسی کے مصدر شکستن سے ہے جس کے معنی ہیں ٹوٹنا)۔ نقض کے ایک معنی ختم کرنا بھی ہیں۔ گویا نقض (ض سے) تو ٹوٹنا یا ختم ہونا ہے اسی لیے نقص امن (ص سے) کی ترکیب درست نہیں ہے۔ یہاں ص نہیں ض چاہیے۔ یعنی نقص امن دراصل نقض امن (ض سے) ہونا چاہیے۔ جب کوئی ہنگامہ یا دنگا فساد کرتا ہے تو وہ امن میں کمی نہیں کرتا بلکہ وہ امن کو توڑتا ہے، امن کو ختم کرتا ہے اور یہ عمل نقض امن ہے نہ کہ نقص امن۔ مثلاً نقض امن کے خطرے کے پیش نظر پولیس کو چوکنا کر دیا گیا ہے۔ اردو لغت بورڈ نے بھی اپنی لغت میں واضح کیا ہے کہ درست املا نقض امن ہے نہ کہ نقص امن۔ اردو میں نقض بیعت (بیعت توڑنے کا عمل) اور نقض عہد (وعدہ توڑنے کا عمل) جیسی تراکیب بھی رائج ہیں۔ مختصراً یہ کہ درست ترکیب نقض امن ہے نہ کہ نقص امن۔

جس میں نقص ہو وہ ناقص ہے۔ اگر کسی چیز میں کچھ کمی رہ جائے یا خرابی ہو جائے تو اسے بھی ناقص (ص کے ساتھ) کہتے ہیں۔ لیکن جو چیز کسی چیز کو توڑ دے یا ختم کر دے وہ ناقض (ض کے ساتھ) ہے اور اسی لیے وضو توڑنے والے عمل کو ناقض وضو کہتے ہیں۔ ناقض کی مؤنث ناقضہ ہے اور ناقضہ کی جمع نواقض ہے۔ جن کاموں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے انھیں نواقض وضو کہتے ہیں۔ نقص اور نقض والی غلطی وضو توڑنے والی چیزوں کے بیان کے ضمن میں بھی ہوتی ہے جب دینی کتابوں میں کاتب نواقض وضو کو نواقص وضو لکھ دیتا ہے (یعنی ض کی بجائے ص) حالاں کہ نواقص (ناقصہ کی جمع) کے معنی ہیں وہ چیزیں جن میں کچھ کمی ہو، ناقص چیزیں۔ لیکن وضو میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ یہ جاتا رہتا ہے یعنی ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو کہتے ہیں وضو ٹوٹنا۔ اس لیے یہاں نواقض وضو نہیں نواقض وضو لکھنا چاہیے۔

نقض کے ایک معنی مخالف ہونا بھی ہے۔ اسی لیے اردو میں کسی لفظ کی ضد یعنی متضاد کو نقیض کہتے ہیں، مثلاً اونچا کا نقیض نیچا ہے۔

حواشی:

1. A Comprehensive Persian-English Dictionary (مرتبہ ایف اسٹین گاس F. Steingass)، لاہور: سنگ میل (2000) (عکسی طباعت، اشاعت اول 1892)۔
2. اسٹین گاس، محولۂ بالا؛ نیز القاموس الوحید (عربی۔اردو) (مرتبہ وحید الزماں قاسمی کیرانوی)، (کراچی: دارالاشاعت 2001)؛ نیز قاموس الالفاظ (حیدرآباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ مشن پریس اردو)، ص 30۔
3. مرغوب الحق، اردو کے ضرب الامثال اشعار: تحقیق کی روشنی میں (لاہور: الفیصل ناشران، 2012)، ص 44، 177 (اشاعت سوم)۔
4. دیکھیے اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد 17 (کراچی: اردو لغت بورڈ، 2000)؛ نیز اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد 18 (کراچی: اردو لغت بورڈ، 2002)۔
5. دیکھیے فرہنگ آصفیہ (مرتبہ سید احمد دہلوی)، طبع دوم چہار جلد (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 1977)۔
6. القاموس الوحید، محولۂ بالا؛ نیز مصباح اللغات (مرتبہ عبدالحفیظ بلیاوی)، (لاہور: المصباح اسٹور، ادارہ)۔
7. فرہنگ تلفظ (مرتبہ شان الحق حقی)، (اسلام آباد: ادارۂ فروغ قومی زبان، 2022) (اشاعت نو)۔
8. مصباح اللغات، محولۂ بالا۔
9. فرہنگ آصفیہ (مرتبہ سید احمد دہلوی)، محولۂ بالا؛ نیز علمی اردو لغت (مرتبہ وارث سرہندی)، (لاہور: علمی کتاب خانہ، 2005)۔
10. المنجد (عربی اردو)، (مرتبہ سعد حسن خاں یوسفی و دیگر)، (کراچی: دارالاشاعت، 1975)۔
11. اسٹین گاس، محولۂ بالا۔
12. اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد 20 (کراچی: اردو لغت بورڈ، 2005)۔
13. ایضاً۔
14. ایضاً۔
15. مصباح اللغات، محولۂ بالا۔
16. اسٹین گاس، محولۂ بالا۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ

سابق پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

drraufparekh@yahoo.com

'کفن'، موت کی نہیں زندگی کی کہانی ہے

ڈاکٹر کمل کشور گوئنکا ——— ترجمہ: محمد اسد اللہ

پریم چند کی سب سے زیادہ مشہور و مقبول کہانی کفن (دسمبر 1935) مختلف تنازعات اور مباحث کا موضوع بنتی رہی ہے۔ مختلف زاویہ نظر اور تجزیوں کے ذریعے اس کہانی سے متعلق جو خیالات سامنے آئے ہیں، انھیں جمع کر دیا جائے تو ایک کتاب بن جائے۔ ہندی کے مشہور ادیب راجندر یادو کے اس قول کا سب سے زیادہ تجزیہ کیا گیا ہے: 'کفن انسانی بے حسی اور بے ضمیری کی کہانی ہے۔' اس موقف کی دو بنیادیں ہیں، ایک آلو کھانے کے لالچ میں گھیسو اور مادھو کا بدھیا کو مار دینا، اور دوسرا دونوں کا کفن کے پیسوں سے شراب پینا اور مستی میں جھومنا ناچنا۔ یہ دونوں ہی انسانیت سوز اور بے حسی کے واقعات ہیں، لیکن کہانی کی پوری فضا ایسی نہیں ہے۔ اس میں جذبات اور انسانیت سے بھرپور واقعات کی کمی نہیں ہے۔ گھیسو میں ہمدردی کا جذبہ ہے۔ جب اس کی بیوی مری تھی تو وہ تین دن تک اس کے پاس سے ہلا بھی نہیں تھا۔ وہ مادھو سے دروازے سے چیختی ہوئی بدھیا کو دیکھنے اور سنبھالنے کے لیے کہتا ہے۔ بدھیا مر جاتی ہے تو دونوں تسلی دیتے ہیں اور گاؤں کی زمیندار عورتیں وہاں آکر آنسو بہاتی ہیں۔ گاؤں کے دیگر لوگ کفن کے انتظام اور تجہیز و تکفین کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ یہ سب گاؤں کی اجتماعی حسیت کا ثبوت ہے۔ مادھو کا بار بار رونا بھی اس کی جذباتیت ہے۔ ہنسنا اور رونا انسانی احساسات کے دو پہلو ہیں۔

گئودان (جون 1936) میں پروفیسر مہتا یہی بات کو دہراتے کہتا ہے: میں کہتا ہوں اگر تم ہنس نہیں سکتے اور رو نہیں سکتے تو تم انسان نہیں پتھر ہو۔ ایک ادیب کی حیثیت سے پریم چند کی بھی یہی رائے ہے۔ انھوں نے ہنس (1935) کے مئی کے شمارے میں لکھا تھا کہ ادب جذبات کی چیز ہے مگر مثالی ادب وہی ہے جس میں عقل اور جذبات کا فنکارانہ امتزاج پایا جائے۔ اگر کسی تخلیق میں ہنسنے اور رونے کے جذباتی لمحات نہیں ہیں تو ایسا لگتا ہے اگر صرف بھی ہو تو بڑا اپاہج بن کر رہ جائے گا اور عوام کے دل کو چھو بھی نہ پائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ پریم چند اپنی کسی بھی تخلیق کو احساسات سے عاری نہیں رکھنا چاہتے۔ مادھو کے برتاؤ اور خیالات میں تو انسانیت اور جذبات کا رنگ ہے۔ بیوی کے لیے اس کے دل میں محبت کا جذبہ ہے کہ اس کے سب سے بڑا کہا ہوا زندگی میں بھی نصیب نہ ہوا۔ وہ دکھ اور مایوسی میں چیخیں مار مار کر روتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ بدھیا نے اپنی زندگی میں کتنے دکھ جھیلے۔ ایک بھکاری کو دیکھ کر اس کی انسانیت جاگ اٹھتی ہے اور وہ بچی ہوئی پوریاں اسے دے دیتا ہے اور مصنف لکھتا ہے کہ اسے پہلی مرتبہ دینے کے فخر، مسرت اور سرخوشی کا تجربہ ہوا۔

یہ روحانی مسرت اور طمانیت اسے اس وقت بھی حاصل نہیں ہوئی تھی جب وہ شراب خانے میں بیٹھا اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کر رہا تھا۔ مادھو کو حاصل ہونے والی مسرت کا یہ تجربہ بتاتی ہی نہیں بلکہ افسانہ نگار اس کے ذریعے اس کے شخصی، انسانی اور مثبت پہلو کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ سارے واقعات، کہانی 'کفن' کے بے حسی والے موقف پر سوالیہ نشان لگا دیتے ہیں۔

'کفن' (دسمبر 1935) کہانی کے تین مراحل ہیں۔ دو کردار اور دو مقام ہیں۔ کہانی کے اہم واقعات گاؤں اور شراب خانے میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ گھیسو اور مادھو دونوں مقامات پر کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں، لیکن ان کی ذاتی کیفیات، ماحول اور طور طریقے الگ الگ ہیں۔ گاؤں میں چیخ و پکار ہے، موت ہے، غیر انسانی سلوک ہے اور کفن کے بے پیسے ہونے کی دوڑ دھوپ ہے اور اس کے برعکس شراب خانے میں موت کا احترام کرنے پر اعتراض ہے، شراب ہے، لذیذ کھانا ہے، فخر اور خوشی ہے۔ آخرت، موکش، نجات پر اعتقاد و یقین ہے۔ نشے میں بے آزاری، بے خودی اور معصومیت کا احساس ہے اور آخر میں گھیسو کا ایک دعویٰ ہے جو مذہبی رسومات کو ڈھکوسلا قرار دیتا ہے۔ مادھو شراب خانے میں داخلے سے پہلے ہی ایک اہم سوال اٹھاتے ہوئے کہتا ہے: 'کیسا برا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے اسے مرنے پر نیا کفن چاہیے۔' یہ ہمارے سماجی اور مذہبی نظام کے اوپر ایک گہرا طنز ہے۔ یہ افسانے میں پہلی فکری و عمل اندازی ہے جو ہمارے غور و فکر کے لیے ایک راہ مہیا کرتی ہے۔ یہ جملہ موت کے متعلق ہمارے سماجی اور مذہبی رویے پر ضرب لگاتا ہے۔ معاشرہ زندگی سے زیادہ موت کا احترام کرتا ہے اسی لیے مردے کو نیا کفن اور زندہ کو پھٹے کپڑے بھی مہیا نہیں کرواتا۔ مادھو بھی یہی کہانی بھی یہی سوال اٹھاتی ہے کہ ہمارے سماج میں زندگی کی اہمیت موت سے کم کیوں ہے؟ ہماری روایات، عقائد اور مذہبی رسوم زندگی کے خلاف ہیں، کیوں کہ موت زندگی سے برتر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی افضل ہے اور وہی سچ ہے۔ زندگی ہے تو امیدیں اور خواہشات بھی ہوں گی اور انھیں پورا کرنے کے لیے مناسب و نامناسب ذرائع کا استعمال بھی ہوتا رہے گا۔

پانچ روپے ہاتھ میں آتے ہی گھیسو اور مادھو کے اندر کی دنیا بدلنے لگتی ہے۔ کفن خریدنے کا خیال کمزور ہوتا جاتا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی خواہش سر ابھارنے لگتی ہے۔ اس خواہش کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی وہ کفن خریدنے کو نامناسب ثابت کرنے کے لیے تین دلیلیں پیش کر چکے ہیں۔ رات کو کفن کون دیکھتا ہے، اس لیے کفن کیا بھی ہو سکتا ہے۔ زندوں کو جب چیتھڑا نصیب نہیں تو مردے کے لیے نیا کفن کیوں ہو اور کفن لاؤ دیا ہو یا پرانا وہ چتا کے ساتھ جل ہی تو جاتا ہے۔ انھی خیالوں میں گم وہ بازار میں کئی کپڑے دیکھتے ہیں مگر انھیں کوئی کپڑا پسند نہیں آتا اور افسانہ نگار کے مطابق وہ کسی بھی ترکیب سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شراب خانے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ افسانہ نگار نے ان دونوں کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی ہے۔ کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ اگر کوئی بھی اشارہ ہے تو وہ انھیں مردے کے آخری رسومات کی ادائیگی کے بجائے شراب خانے میں کیوں کھینچنا چاہے گا۔ اس کا کوئی واضح سبب بیان نہیں کیا گیا مگر کہانی کی ابتدا میں ہی ایک وجہ نظر آتی ہے۔ گھیسو آلو کھاتے وقت ٹھاکر کی بارات میں کھائی گئی دعوت کو یاد کرتے ہوئے جس ذائقے کا ذکر کرتا ہے اور مادھو تصور ہی میں اس کا مزہ لیتا ہے۔ اس سے مادھو کے دل میں بھی ایسے ہی کھانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ وہ کہتا بھی ہے۔ اب کوئی ہمیں ایسا بھوج نہیں کھلاتا۔ مادھو کی یہ خواہش کہانی کے آنے والے واقعات کی تکمیل کرتی ہے اور انھیں کفن کا پیسہ مل جاتا ہے۔ اس خواہش کے پیدا ہونے کے بعد ہی بدھیا کی موت ہوتی ہے۔ کفن کے پانچ روپے باپ بیٹے کے ہاتھ آتے ہیں اور دونوں کے اندر ابھرنے والی یہ خواہش انھیں شراب خانے کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ گھیسو ٹھاکر کی دعوت میں سیر ہو کر کھانے کا مزہ چکھ چکا تھا لیکن اسے وہاں شراب نہیں ملی تھی۔ مادھو ان دونوں لذتوں سے محروم تھا لیکن ان دونوں کے دل میں یکساں خواہشات کی اتھل پتھل شروع تھی۔ مصنف لکھتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے من کی بات تاڑ رہے تھے۔ دونوں شراب خانے جانا چاہتے تھے اسی لیے شراب خانے کے سامنے پہنچ کر دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ دونوں اندر پہنچ کر کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئے۔ اندر آنے تک ان کے دل میں کسی قسم کی پشیمانی، شرم اور ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ البتہ شراب کی بوتل خریدنے سے پہلے وہ تذبذب میں کھڑے رہتے ہیں۔ اس سے ان کی اندرونی کشمکش ظاہر ہوتی ہے۔ افسانہ نگار اسے ظاہر کرتا ہے کہ کفن کی رقم سے شراب پینا گناہ تو نہیں ہے؟

گھیسو بہت زیادہ پی چکا تھا لیکن مادھو کا معمولی مرتبہ کرنے جا رہا تھا اس لیے افسانہ نگار نے اس کے دل میں احساس جرم پیدا کیا کیوں کہ شراب کا مزہ اس احساس کے ساتھ نہیں پایا جا سکتا تھا اسی لیے مادھو اپنے گناہ میں دیوتاؤں کو گواہ بناتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے: ''مادھو آسمان کی طرف دیکھ کر بولا'' گویا دیوتاؤں کو اس میں شریک کر رہا ہے۔ اس کے دل میں گناہ کا احساس نہ ہوتا تو مصنف یہاں بے گناہی کے لیے دیوتاؤں کو کیوں شریک کرتا۔ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی لذت سے گناہ کے احساس کے ساتھ محظوظ نہیں ہونا چاہتا۔ افسانہ نگار کے مطابق شراب خانہ اپنے چاہنے والوں کو ہر قسم کی رکاوٹوں اور زندگی اور موت کی ناگواریوں سے آزاد کر دیتا ہے۔ گھیسو اور مادھو یہاں آ کر اپنے سارے غم بھول جاتے ہیں۔ ان کا یہاں داخلہ ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی تکالیف سے نجات کا ثبوت ہے۔ ان کے لیے ساری سماجی اور گھریلو ذمہ داریاں اور بندشیں بے معنی ہیں۔ جب وہ شراب کی بوتل درمیان میں رکھ کر بیٹھتے ہیں تو انھیں صرف اپنی خواہشات ہی یاد رہتی ہیں۔ نرمل ورما نے لکھا ہے کہ وہ ہندوستانی شرابیوں کا شمشان کے سائے میں ہونے والا نجات کا جشن ہے۔

وہ اپنے خاندان اور گاؤں والے دونوں کے مجرم ہیں۔ وہ پہلے اپنے خاندان کے مجرم ہیں۔ باپ بیٹا دونوں گھر کی بہو کو مرنے دیتے ہیں اور وہ بھی دروازے سے چیختی ہوئی عورت کو جو ان کی خدمت اور مدد کرتے کرتے اپنے پیٹ میں موجود بچے کے ساتھ مر جاتی ہے۔ دوسرے وہ گاؤں والوں کے مجرم ہیں کہ گاؤں والے بدھیا کے کفن کے لیے پانچ روپے جمع کر کے ان کے ہاتھ میں دیتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ دھوکہ کر کے شراب خانے میں جا کر اس رقم سے شراب پی لیتے ہیں۔ گاؤں والے انھیں پہلے ہی سے کام چور، کاہل، بے شرم اور جھوٹے سمجھتے تھے اور وہ بھی اس سے واقف تھے اسی لیے انھیں ان کا دھوکہ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔ گھیسو، مادھو کو سمجھاتا ہے کہ گاؤں والے ہی دوبارہ کفن کا انتظام کریں گے، اس لیے کفن کے پیسوں سے شراب پینا نامناسب نہیں ہے کہ بدھیا کو کفن ضرور مل ہی جائے گا۔

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

سنگاریڈی کے ضلع کلکٹر کا
سرکاری اردو میڈیم اسکول کا معائنہ

سنگاریڈی (25 مئی)۔ ڈی کرانتی (کلکٹر ضلع) نے پٹن چیرو منڈل کے پاشامیلارم منڈل پریشد ہائی اسکول اور سنگاریڈی منڈل کے رام پیٹ میں واقع سرکاری اردو میڈیم پرائمری اسکول کا تفصیلی معائنہ کرتے ہوئے امن آدرش اسکیم کے تحت کیے جانے والے کاموں کی تفصیلات حاصل کرتے ہوئے جاریہ ماہ کے آخر تک تمام کاموں کو مکمل کرلینے کی ہدایت دی نیز بیت الخلاء کی تعمیر و مرمت، پانی کی دستیابی، پینے کے پانی کے انتظامات اور دیگر کاموں پر توجہ دیتے ہوئے جلد مکمل کرنے پر زور دیا۔ کلکٹر نے کہا کہ امن آدرش فنڈ کا استعمال اسکول کی مرمت اور دیگر بنیادی سہولتوں کے کاموں پر خرچ کریں۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

انجمن امیر خسرو سوسائٹی اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام

امیر خسرو یادگاری خطبے کا انعقاد

نئی دہلی (پریس ریلیز، 23 اپریل) انجمن امیر خسرو سوسائٹی اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام امیر خسرو یادگاری خطبے کا انعقاد کیا گیا۔ خطبے کی صدارت معروف فارسی ادیب و دانشور پروفیسر شریف حسین قاسمی نے کی۔ اس موقع پر انھوں نے کہا کہ امیر خسرو ایک جامع کمالات شخصیت کا نام ہے۔ وہ شاعری، موسیقی اور دیگر علوم میں غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے۔ ایرانی شعراء نے جس شاعر کے فنی امتیاز کو تسلیم کیا ہے وہ امیر خسرو ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ امیر خسرو نے سات بادشاہوں کا دور دیکھا اور ہر لحاظ سے بھی فعال رہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ انھیں پانچ دیوان، اس مثنویاں اور نثر میں بھی تین کتابیں لکھنے کی مہلت کیسے میسر آئی جو کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے غیر معمولی ہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے کہا کہ امیر خسرو سوسائٹی دہلی کی ایک سرگرم تنظیم ہے جو ہر سال امیر خسرو یادگاری خطبے کا اہتمام کرتی ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اس خطبے کے لیے کسی اہم شخصیت کی خدمات حاصل کی جائیں۔ پروفیسر احمد محفوظ کو دعوت دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ امیر خسرو پر گفتگو کے لیے اردو کی کلاسیکی روایت کے ساتھ فارسی سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ پروفیسر احمد محفوظ اردو فارسی شعریات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں لہٰذا ان کی گفتگو اس تعلق سے بہت بامعنی ثابت ہوگی۔ پروفیسر احمد محفوظ نے خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم خسرو کی ادبی میراث پر نظر کرتے ہیں تو ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے کس کام کو فوقیت دیں۔ انھوں نے ایک طرف نثر میں 'اعجاز خسروی'، 'خزائن الفتوح' اور 'افضل الفوائد' جیسی بے مثال تصانیف چھوڑیں اور دوسری طرف 'نہ سپہر' جیسی لازوال مثنوی سے یہاں کی شعری روایت کو عروج بخشا۔ اس مثنوی کا بھی تیسرا سپہر جو اور ملک ہندوستان سے متعلق ہے، اہم خاص حوالہ رکھتا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم نئی نسل کی تربیت اس انداز سے کریں کہ وہ مصرعی تلفظ کے ساتھ ادبی روایت سے بھی واقف ہو۔

اردو زبان کے فروغ میں صحافت کا کلیدی کردار ہے: معصوم مرادآبادی

اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے زیر اہتمام اٹھارہواں محفوظ الرحمن میموریل لیکچر کا انعقاد

نئی دہلی (پریس ریلیز، 18 مئی) اردو زبان اور اس کے رسم الخط کو فروغ دینے میں اردو صحافت نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اردو زبان ہمیشہ صحافت کے شانے پر زندہ رہی ہے اور ان ہی ادیبوں کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے جنھوں نے اخبارات و جرائد کے ذریعے عوام سے رابطہ قائم کیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار آج یہاں سینئر صحافی اور ادیب معصوم مرادآبادی نے 'فروغ اردو میں صحافت کے کردار' کے موضوع پر 18 ویں محفوظ الرحمن میموریل لیکچر دیتے ہوئے کیا۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے زیر اہتمام کانسٹی ٹیوشن کلب میں منعقدہ اس تقریب کی صدارت پروفیسر عبدالحق نے کی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے شرکت کی۔ انھیں اس موقعے پر خصوصی نشان یادگار بھی پیش کیا گیا۔ ممتاز دانشور پروفیسر اختر الواسع اور ڈاکٹر سید فاروق، ڈاکٹر سلیم قدوائی نے بھی اس تقریب کو خطاب کیا۔ مہمان مقرر معصوم مرادآبادی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آج اردو زبان کو فروغ دینے میں اخبارات و جرائد کلیدی کردار ادا کررہے ہیں لیکن جن سرکاری یا غیر سرکاری اداروں پر اردو کے فروغ کی ذمہ داری ہے، وہ اردو اخبارات و جرائد کے فروغ سے غافل ہیں۔ اردو اکادمیوں، انجمنوں اور کونسلوں کا بجٹ ایسی سرگرمیوں پر خرچ ہوجاتا ہے جن کا زبان کے فروغ سے محض رسمی رشتہ ہوتا ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اردو اداروں کو اردو اخبارات و جرائد کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر توجہ دینی چاہیے تاکہ موجودہ بحرانی دور میں وہ مالی مشکلات پر قابو پاسکیں۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے بانی ڈاکٹر سید احمد خاں نے تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ صحافی محفوظ الرحمن مرحوم کی سرپرستی میں اردو کی تحریک کا آغاز ہوا، یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ وہ ایک بے لوث صحافی تھے۔ پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ میں ڈاکٹر سید احمد خاں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے صحافی محفوظ الرحمن مرحوم کی قومی و ملی خدمات کے اعتراف میں یادگاری لیکچر کا اہتمام کیا۔ آج کے دور میں کسی کے دنیا سے جانے کے بعد لوگ بہت جلدی بھول جاتے ہیں کہ ہمارے درمیان کوئی تھا لیکن سید احمد خاں آج بھی محفوظ الرحمن کو یاد کررہے ہیں یہ بڑی قابل تعریف بات ہے۔ تقریب میں محفوظ الرحمن مرحوم کے فرزند وائل رحمن، محمد عارف اقبال، ڈاکٹر ابو ذر، محمد احمد اور عمران قنوجی سمیت متعدد افراد شریک تھے۔

آئین مساوات اور جمہوریت کی جو تعلیم دیتا ہے اسے ہر حال میں اپنی اصلی صورت میں باقی رکھا جانا ضروری ہے: نجیب جنگ

قومی اردو کونسل میں شری رام بہادر رائے کی کتاب 'آئین ہند: ان کہی کہانی' (اردو ایڈیشن) کا اجرا اور مذاکرہ

نئی دہلی (پریس ریلیز، 23 اپریل)۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے صدر دفتر میں شری رام بہادر رائے کی کتاب 'آئین ہند: ان کہی کہانی' کی تقریب اجرا اور مذاکرے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت دہلی کے سابق لیفٹیننٹ گورنر جناب نجیب جنگ نے کی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں آئین ہند پر بات کرتے ہوئے کہا کہ آئین کے بیسک اسٹرکچر کو بدلنے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ آئین مساوات اور جمہوریت کی جو تعلیم دیتا ہے اسے ہر حال میں اپنی اصلی صورت میں باقی رکھا جانا ضروری ہے۔ 'آئین ہند: ان کہی کہانی' پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ایسا انوکھا کام پہلے کبھی نہیں ہوا اور نہ آگے ہوگا۔ یہ کتاب سب کو پڑھنی چاہیے اور خاص طور پر نئی نسل کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

خیر مقدمی کلمات پیش کرتے ہوئے قومی کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے تمام مہمانان کا استقبال کیا۔ انھوں نے کہا کہ عالمی یوم کتاب کے موقعے پر دہلی کی چار یونیورسٹیوں میں 'کتاب اور قرأت' کے عنوان سے پروگرام کا انعقاد کیا گیا تاکہ طالب علم کو کتاب سے قریب کیا جائے اور کتاب کلچر کو فروغ دیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ کوئی بھی ملک آئین سے چلتا ہے اور حکومتیں آئین کے دائرے میں چلتی ہیں۔ یہ کتاب بے حد منفرد ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ آئین کیوں بنا اور آئین بنانے کے کیا محرکات تھے۔ ان تمام باتوں کو اس کتاب میں بڑی خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے۔

شری رام بہادر رائے (صدر اندرا گاندھی نیشنل سینٹر فار دی آرٹس) نے اپنے خطاب میں کہا کہ سوراج کو ماننا الگ بات ہے اور اس کو جاننا الگ۔ سوراج کو جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ سوراج پر بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ ملک کے ہر شہری کو چاہیے کہ وہ جس ملک میں رہ رہا ہے وہاں کے آئین کو سمجھے اور اس میں بتائے گئے قوانین پر عمل پیرا ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان کا آئین سب سے الگ ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک کے آئین میں لکھا ہوا ہے کہ اسے بدلا نہیں جاسکتا لیکن ہندوستان کا آئین لچکدار ہے۔ اس میں ضرورت پڑنے پر تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ یہ سوراج کی طاقت بھی ہے اور ہندوستان کی طاقت بھی۔ انھوں نے مزید کہا کہ سوراج کی سب سے بڑی طاقت یہ ہے کہ اس میں مذہب اور ذات کی کوئی جگہ نہیں ہے بلکہ یہاں کے شہری کو اور اس کے حقوق کو مرکز میں رکھا گیا ہے۔

ماہر قانون اور انسانی حقوق کے اسکالر پروفیسر خواجہ عبدالمنتقم نے اس موقعے پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارا ایک آئین ہے۔ دنیا میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جن کا اپنا کوئی آئین نہیں ہے۔ انھوں نے کتاب پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ کتاب بے حد اہم ہے اور اس کتاب کے بیشتر حوالات معیاری تصانیف سے دیے گئے ہیں۔

مہمان اعزازی پروفیسر شاہد اختر (ممبر قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات) نے کہا کہ ایک انسان اسی وقت اچھا بن سکتا ہے جب وہ ملک کے آئین کو اچھی طرح مانے۔ جب آئین بنا تو اس وقت کے حالات اور ماحول سے ہم بالکل بھی واقف نہ تھے۔ یہ کتاب ان تمام باتوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ آئین کو جاننے اور اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

'آئین ہند: ان کہی کہانی' کے مترجم ڈاکٹر جاوید عالم نے ترجمے کے حوالے سے ان کو جو دشواریاں پیش آئیں اس پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ آئین ہند سے متعلق جو مباحث ہیں وہ واقعی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تقریب کی نظامت ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی (اسسٹنٹ ڈائرکٹر (اکیڈمک)) نے کی۔

اس تقریب میں جناب محمد احمد (اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمن))، محترمہ نیلم رانی، کلیم اللہ، انتخاب احمد، شاہنواز محمد خرم، اردو کونسل کا پورا عملہ شریک تھا۔ اردو دنیا کی معزز شخصیات نے بھی اس تقریب میں شرکت کی جن میں جناب دانش اقبال، جناب کپل انجم، پروفیسر خالد محمود، پروفیسر تسنیم فاطمہ، پروفیسر شہپر رسول، جناب فیروز بخت، جناب شفیق الحسن، جناب اسد رضا، پروفیسر نزہت پروین، ڈاکٹر ملکی شاہین، ڈاکٹر نعیمہ جعفری پاشا، پروفیسر اختر حسین، ڈاکٹر خورشید فاروقی، پروفیسر نوشاد منظر، ڈاکٹر ابوظہیر ربانی، شاہد حیات، محمد شاہد اور محمد افضل وغیرہ شامل ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی شاعری کے ذریعے ملت اسلامیہ کی سماجی، معاشرتی اور تعلیمی زندگی میں خود اعتمادی اور ولولہ انگیزی کے چراغ روشن کردیے

گلبرگہ (29 اپریل، ای میل) ادارہ ادب اسلامی ہند گلبرگہ کے زیر اہتمام 28 اپریل 2024 کو ہدایت سینٹر گلبرگہ میں پیام مولانا حالی اور ان کی شاعری کے عنوان سے ایک خصوصی ادبی اجلاس کا انعقاد عمل میں آیا۔ جس کا آغاز انجینئر عبدالستار اور جناب شکیل الرحمن کے درس قرآن اور درس حدیث سے ہوا۔

جناب منظور وقار نے مہمانان خصوصی، صدر اجلاس اور سامعین کا خیر مقدم کرنے کے بعد کہا کہ مولانا حالی ایک بلند پایہ شاعر تھے ان کی تصانیف شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ مولانا حالی نے اپنی شاعری کے ذریعے اردو شاعری کو نئی منزلوں سے روشناس کروایا۔ جناب عارف مرزا نے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے مولانا حالی کے اشعار کی روشنی میں انھیں ایک انقلابی اور جدید فکر کا شاعر قرار دیا۔ پیام مولانا حالی اور ان کی شاعری اس عنوان پر تقریر کرنے کے لیے خصوصی طور پر مدعو معروف ادیب اور اسکالر پروفیسر سلیم دولت کوٹی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مولانا حالی نے اپنی شاہکار تصانیف مسدس حالی، دیوان حالی اور مقدمہ شعر و شاعری کے ذریعے ملت اسلامیہ کی سماجی، معاشرتی اور تعلیمی زندگی میں خود اعتمادی اور خودداری کے چراغ روشن کر دیے۔ مولانا حالی سر سید احمد خاں کی روشن خیالی سے متاثر تھے۔ ان کی شاعری سر سید احمد خاں کے خیالات اور افکار جدید کی ترجمانی کرتی ہے۔ مولانا حالی نے اپنی شاعری کے ذریعے جدید علوم کی مخالفت کرنے والے نام نہاد علمائے کرام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مفتی امین الحسینی ندوی نے خوبصورت انداز میں مہمانان خصوصی، مقالہ نگار اور صدر اجلاس کا تعارف پیش کیا۔ جناب محمد ذاکر حسین نے اجلاس میں پیش کیے گئے مقالوں اور تقریروں کا جائزہ لیا۔ صدر اجلاس انجینئر عبدالحمید نے مولانا حالی کی شاعری، افکار اور پیام پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا مولانا حالی جدید علوم سائنس اور ٹکنالوجی کی اہمیت سے ملت کو آگاہ کرانے کی سعی مسلسل کرتے رہے تاکہ مسلمان اسلام کے دائرے میں رہ کر یوروپی ممالک کی ترقی یافتہ اقوام کا مقابلہ کرسکیں۔ منظور وقار نے شکریے کے فرائض انجام دیے۔ گلشن ہال سامعین سے کچاکچ بھرا ہوا تھا۔

سلام بن رزاق نے سماجی مسائل کو اپنی کہانیوں میں بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے: عارف نقوی

میرٹھ۔ سلام بن رزاق واقعی عمدہ افسانہ نگار تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے ہر طبقے کے مسائل کو اپنی کہانیوں میں بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ ان کا طرز تحریر لاجواب ہے۔ سلام بن رزاق نے جس فنی اور منفرد انداز میں ان مسائل کو پیش کیا وہ قارئین کو جھنجھوڑنے کا کام کرتے ہیں۔ سلام بن رزاق کا جانا اردو ادب کا بڑا خسارہ ہے۔ یہ الفاظ تھے جرمنی سے معروف ادیب عارف نقوی کے جو شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی اور بین الاقوامی نوجوان اردو اسکالرز انجمن (آیوسا) کے زیر اہتمام منعقد سلام بن رزاق کی افسانہ نگاری کے موضوع پر منعقدہ جلسے میں اپنی صدارتی تقریر کے دوران ادا کر رہے تھے۔ اس سے قبل پروگرام کا آغاز سعید احمد سہارنپوری نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ بعد ازاں ایم اے سال دوم کی طالبہ نزہت اختر نے ہدیۂ نعت پیش کیا۔ پروگرام کی سرپرستی صدر شعبۂ اردو، پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کی۔ مہمان خصوصی کے طور پر معروف اور منفرد فکشن نگار پروفیسر طارق چھتاری نے آن لائن شرکت کی۔ مہمان ذی وقار کے طور پر معروف ادیب و ناقد اور سابق صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پروفیسر صغیر افراہیم آن لائن موجود رہے۔ مقالہ نگار کے طور پر ممبئی سے معروف ڈراما نگار اسلم پرویز اور مقرر کے طور پر لکھنؤ سے آیوسا کی صدر پروفیسر ریشماں پروین نے شرکت کی۔ استقبالیہ کلمات ڈاکٹر ارشاد سیانوی، نظامت اور تعارف ڈاکٹر شاداب علیم نے انجام دیے۔

ڈاکٹر شاداب علیم نے کہا کہ فکشن نگاروں میں ایک نام سلام بن رزاق کا ہے۔ انھوں نے اپنے فن کے ذریعے انسانیت کی اعلا قدروں سے روشناس کرانے اور ہر طرح کی ناانصافیوں اور نابرابری کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ ان کے انتقال سے فکشن کی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پُر ہونے میں طویل وقت لگے گا۔ سلام بن رزاق کا شمار عہد حاضر کے قد آور افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

پروفیسر طارق چھتاری نے کہا کہ سلام بن رزاق کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہمارے ساتھ آج بھی ہیں۔ بہت آسانی سے وہ دلوں میں جا بستے تھے گروہ بندیوں سے گھبراتے تھے۔ آپ کے یہاں خودداری تھی۔ ان کی کہانیاں قاری کے دلوں پر راج کرتی ہیں۔ اسلم پرویز نے سلام بن رزاق کے افسانوں کے حوالے سے ایک طویل مضمون کا مختصر حصہ پڑھا اور بتایا کہ سلام بن رزاق کے بہت سے افسانے سوچنے اور غور و فکر کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ پروفیسر صغیر افراہیم نے کہا کہ سلام بن رزاق اپنے پیچھے والوں کی بڑی ہمدردی اور خوش اخلاقی سے تربیت کرتے تھے۔ ان کے افسانوں کے عنوانات بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں وہ اپنی بات کو سب تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ وارث علوی بھی سلام بن رزاق کو ایک سینئر رائٹر تسلیم کرتے تھے۔ انتظار حسین، رتن سنگھ، بیگ احساس اور طارق چھتاری وغیرہ آپ کو بہت پسند کرتے تھے۔ سلام بن رزاق کا بھرپور تعارف علیم اسماعیل نے پیش کیا۔ اس موقع پر پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ سلام بن رزاق کا تعلق اس نسل سے ہے جو 1970 کے بعد منظر عام پر آئی۔ اس نسل نے افسانوں کو ذہن سے جوڑنے کا کام کیا۔ سلام بن رزاق نے نئی نسل کو آگے کی طرف بڑھانے کے لیے بہت سے مشوروں سے بھی نوازا۔ سلام بن رزاق نے سماج کے ہر طبقے کے مسائل کو خوب صورتی سے افسانہ بنایا ہے۔ سلام بن رزاق کا دنیا سے چلے جانا یقیناً اردو ادب کا بڑا خسارہ ہے۔ پروگرام میں عبدالرزاق، ادیب، ارشد اکرام، مشتاق کریمی، رقیہ جمال، شہناز فاطمہ، شادیہ خان، اسماعیل گوہر، سیدہ مریم الہی، محمد شمشاد، شابانہ پروین اور فیضان ظفر وغیرہ آن لائن موجود رہے۔

تلنگانہ اردو اکیڈمی سے اردو اخبارات کے

زیر التوا بلس کی رقم فوری جاری کرنے کے لیے تلنگانہ اردو جرنلسٹس کے وفد کی نمائندگی

حیدرآباد، ایم اے ر غوری (جنرل سکریٹری تلنگانہ اردو جرنلسٹس) کی قیادت میں اردو اخبارات اور صحافیوں کا ایک وفد جو جناب شکیل احمد، محمد اسعد علی، جاوید سہاش اور محمد علی حشمت ظہوری پر مشتمل تھا نے سپرنٹنڈنٹ تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی سے اردو اخبارات کے زیر التوا 2023-24 کے بلس کی فوری اجرائی کے سلسلے میں نمائندگی کی۔ اس ضمن میں سپرنٹنڈنٹ نے وفد کو بتایا کہ پیشکش کو ناظم ہونے کی وجہ سے تمام فائلس التوا کا شکار ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں اردو اکیڈمی ایگزیکٹیو آفیسر سے نمائندگی کی گئی ہے۔ چند روز میں بقایا جات کی رقم جاری کی جاسکتی ہے۔ اس موقع پر وفد نے تلنگانہ یوم تاسیس 2 جون 2024 کے موقع پر اخبارات و ایجنسیوں کو اشتہارات جاری کرنے کی اپیل کی۔ (اعتماد۔ حیدرآباد)

شبیر امام اردو کے بے لوث اور خاموش خادم تھے

پٹنہ۔ اردو کے مشہور ادیب اور دانشور، کئی کتابوں کے مصنف سید شبیر امام اردو کے بے لوث اور خاموش خادم تھے۔ ان کے انتقال سے اردو زبان و ادب کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی مستقبل قریب میں ممکن نظر نہیں آتی۔ یہ باتیں اردو ایکشن کمیٹی بہار کے صدر اور کثیر الاشاعت اخبار 'قومی تنظیم' کے مدیر اعلا ایس ایم اشرف فرید، نائب صدر ڈاکٹر ریحان غنی، جنرل سکریٹری ڈاکٹر اشرف النبی قیصر، سکریٹری ڈاکٹر انوار الہدیٰ اور اسحاق اثر، رکن مجلس عاملہ انوار الحسن وسطوی اور شاہ فیض الرحمن نے ایک مشترکہ بیان میں کہیں۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ سید شبیر امام کی خدمات کئی دہائیوں پر مشتمل ہیں جس کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ وہ سماجی کام میں بھی بہت مستعدی کے ساتھ جڑے رہے۔ ان کی قائم کی ہوئی تنظیم 'حسینی سماج' اور اس کی خدمات کو لوگ آج بھی یاد کرتے ہیں۔ وہ اپنے کام میں بے انتہا مخلص تھے۔ ان کی ایمانداری کی بھی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں۔ انھوں نے نہ سماج سے کچھ لیا اور نہ ملک سے۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ جوان تھے تو کاندھے پر ایک تھیلا لٹکائے گھومتے رہتے جس میں طرح طرح کے اشتہارات، پوسٹر، مسودے اور دیگر کاغذات ہوتے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی سماجی، ادبی اور قوم و ملت کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ ان کی درجنوں کتابیں میں 'احسن خاندان اور علی نگر پالی'، 'عطاء اللہ پالوی: نقیب فکرِ رحمانی' (کئی جلدوں میں) 'ذکر رفتگاں'، 'فکر و نظر'، 'شناخت' جیسی وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جو تحقیق و جستجو کرنے والوں کی ہمیشہ رہنمائی کرتی رہیں گی۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ شبیر امام صاحب کے جسم میں جب تک طاقت رہی وہ اردو کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ انھیں کسی صلے کی بھی کوئی پروا نہیں رہی۔ وہ بہار کے ایک ایسے سپوت تھے جنھوں نے بہار میں اردو زبان و ادب کو وقار بخشا۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : اردو ادب کے آسمان
مصنف : منظور وقار
ضخامت : 240 صفحات
قیمت : 200 روپے
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس 3304/1739 فرسٹ فلور، گلی عزیز الدین وکیل
کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی-110002
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

دکنی ریاست کرناٹک کے شہر گلبرگہ سے تعلق رکھنے والے منظور وقار اردو ادب میں طنز و مزاح نگار، بچوں کے ادیب اور افسانہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اپنی تحصیل داری کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ادب تخلیق کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی منظور وقار کو اردو ادب سے گہری دل چسپی تھی۔ بقول منظور وقار، جب وہ بی اے کے طالب علم تھے تب سے ہی انھیں جاسوسی ناولوں اور ادبی رسائل و جرائد کے مطالعے کا شوق رہا ہے۔ ان کی اب تک چھ کتابیں، بشمول زیر تبصرہ، منظر عام پر آچکی ہیں۔ تنکے کا سہارا (1990)، کانٹوں کا جنگل (2015)، مسکرا ہی صبح ہے (2018)، مسکراتی رہی زندگی (2020)، سوالیہ (2021) اور زیر تبصرہ کتاب 'اردو ادب کے آسمان' (2023) شائع ہو کر قارئین و ناقدین کی توجہ مرکوز کر چکی ہیں۔ اپنے ادبی سفر کے بارے میں منظور وقار لکھتے ہیں:

> "ہاتھ میں قلم ہے۔ انگلیوں میں حرکت کی قوت اور حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ انگلیوں کے درمیان قلم کو پکڑ کر لکھنا شروع کیا۔ انشائیے، خاکے، افسانے، الماس ہے، تبصرے، بچوں کے لیے کہانیاں، رپورتاژ، طنز و مزاح اور مضامین۔ قلم کو روانی ملی، جولانی ملی۔ لکھتا گیا، خوب لکھا۔ آج طنز و مزاح میں شناخت ملی۔ افسانچے سے پہچان ملی، ایک مستند ادیب کی حیثیت سے اردو ادب میں تسلیم کر لیا گیا۔" (ص 7)

زیر تبصرہ کتاب 'اردو ادب کے آسمان' میں منظور وقار نے 17 شخصیات پر مضامین سپرد قلم کیے ہیں۔ ان 17 شخصیات میں مولانا حسرت موہانی، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، ساحر لدھیانوی، مجتبیٰ حسین، مشتاق یوسفی، ابراہیم جلیس، مظہر الحق، عابد سہیل، انصاری، خواجہ احمد عباس، اشفاق، مسعود، یوسف ناظم، مجتبیٰ حسین، مشتاق خواجہ، نذیر رضوی، شیخ سلیم احمد اور حمید سہروردی کے نام قابل ذکر ہیں۔ کتاب میں شامل مضامین کے مطالعے سے مذکورہ ادبی شخصیات کے فن اور فکر کو سمجھنے میں قارئین کو آسانی ہوتی ہے۔

منظور وقار نے بعض شخصیات سے روبرو ملاقات کی اور بعض سے ان کی ملاقات کتابوں کے ذریعے ہوئی۔ موصوف نے شخصیات کی ذات، صفات، تاثرات کا اظہار مضامین میں خوب کیا ہے۔ اپنے مضامین میں منظور وقار قارئین سے شخصیت کا تعارف کراتے وقت لفظوں کے انتخاب کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ چند ہی سطروں میں قاری کے سامنے شخصیات کا ادبی منظر نامہ عیاں ہو جاتا ہے۔ کرشن چندر کی شخصیت اور ان کی ادبی مساعی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: "کرشن چندر نہ صرف ایک قلم کار تھے بلکہ وہ سچی انسانیت کے لیے مسیحا تھے۔ انسانیت، وہ ظلم و ناانصافی کے خلاف کرشن چندر ہمیشہ لکھتے رہے اور جاتے تھے۔ ان کا قلم مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی مخالفت میں اٹھتا تھا۔" (ص 33)

منظور وقار نے ساحر لدھیانوی کی شخصیت اور ان کی شاعری کے مختلف گوشوں کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔ اس مضمون میں موصوف نے فلمی نغموں کے ذریعے ساحر کی زندگی کے کئی گوشوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ ذاتی زندگی کے کرب، والدہ کے پیار سے محرومی، عورتوں کے تئیں قدر دانی کا جذبہ اور ناکام عشق کو منظور وقار نے ساحر لدھیانوی کے فلمی نغموں کی مثالوں سے قارئین کو روشناس کرایا ہے۔ مضمون مختصر ہے لیکن چند لمحوں میں ہی قاری ساحر کی زندگی کے ہر پہلو سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس موقعے پر ساحر کا انسان دوستی سے سرشار نغمہ ملاحظہ کیجیے جس میں انھوں نے فرقہ پرستی پر زبردست چوٹ کی ہے:

تو ہندو بنے گا نہ مسلمان بنے گا
انسان کی اولاد ہے انسان بنے گا
تو امن کا اور صلح کا ارمان بنے گا
انسان کی اولاد ہے انسان بنے گا

منظور وقار نے ابن انشا کے سفرناموں میں طنز و مزاح کی چاشنی کو انوکھے انداز میں پیش کیا ہے۔ مضمون کی ابتدا میں انھوں نے اردو سفرناموں کا تعارف پیش کیا۔ اس کے بعد ابن انشا کے پانچ سفرناموں آوارہ گرد کی ڈائری، دنیا گول ہے، ابن بطوطہ کے تعاقب میں، چلتے ہو تو چین کو چلیے اور نگری نگری پھرا مسافر میں پنہاں طنز و مزاح پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مجتبیٰ حسین سے اپنی ملاقاتوں، باتوں اور یادوں کے سلسلے کو منظور وقار نے مضمون کی شکل عطا کی ہے۔ انھوں نے مضمون 'مجتبیٰ حسین: طنز و مزاح کا تاج محل' میں مجتبیٰ حسین کے بارے میں چھوٹے چھوٹے مگر فکر انگیز جملوں سے ان کی شخصیت کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ دراصل منظور وقار نے اس مضمون میں مجتبیٰ حسین کا شخصی خاکہ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ مجتبیٰ حسین سے موصوف کی پہلی ملاقات گلبرگہ کے ادبی اجلاس میں ہوئی تھی۔ انھوں نے مجتبیٰ حسین کے خاکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مجتبیٰ حسین نے جانداروں کے علاوہ بے جان چیزوں کے بھی خاکے لکھے ہیں۔

مشتاق خواجہ کی کالم نگاری کو منظور وقار نے 'خامہ بگوش کی کالم نگاری' میں پیش کیا ہے۔ دراصل مشتاق خواجہ 'خامہ بگوش' کے فرضی نام سے کالم لکھتے تھے۔ ان کے کالموں کو مظفر علی سید نے کالموں کا انتخاب 'خامہ بگوش کے قلم سے' عنوان سے شائع کیا۔ اس مضمون میں انھوں نے مشتاق خواجہ کے ادبی کالموں کا تنقیدی تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ خامہ بگوش کے کالموں کو عالمی ادب کے میزان پر پرکھیں تو ان کی تحریریں عالمی شہرت یافتہ دیگر تمام کالم نگاروں کی تحریروں پر بھاری پڑ جائیں گی۔

مشہور افسانہ نگار حمید سہروردی کی شخصیت اور فن کو انھوں نے کتاب کے آخری مضمون میں پیش کیا ہے۔ منظور وقار نے اس مضمون میں اپنی یادوں کو پیرایہ دیا ہے۔ گلبرگہ میں حمید سہروردی کے مکان 'سائبان' میں وہ ہر ہفتے ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ ان کی افسانہ نگاری کو پڑھ کر ہی منظور وقار نے ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ حمید صاحب نے جوگندر پال کی شخصیت اور ادبی کارناموں پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ اس لیے ان کی زندگی میں جوگندر پال کی شخصیت کے اثرات نمایاں ہیں۔ گلبرگہ بالخصوص ریاست کرناٹک میں حمید سہروردی کا ادبی قد بہت اونچا ہے۔ ان کے ادبی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی حیات و خدمات پر کئی یونی ورسٹیوں میں تحقیقی مقالے لکھے جا چکے ہیں۔

بہر کیف منظور وقار نے 'اردو ادب کے آسمان' میں اپنے تنقیدی تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے سادہ، رواں اور صاف ستھری نثر کا استعمال کیا ہے۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کی جا سکتی ہے کہ منظور وقار نے اردو کی نامور شخصیات کے کارناموں کو چند کر مضامین رقم کیے ہیں۔ ہر مضمون ادب کی کئی عبارت ہے۔ آپ منظور وقار کے کسی بھی مضمون کا مطالعہ کیجیے کہیں بھی ادب سے ان کے مضمون میں عدم دل چسپی کا احساس نہیں ہوگا۔ بقول منظور وقار کتاب کا مقدمہ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنی وفات سے چند دن قبل لکھا تھا۔ اس مقدمے میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے زیر تبصرہ کتاب کا بھرپور احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے منظور وقار کی تنقید کو Impressionisite Criticism سے تعبیر کیا۔ منظور وقار نے مضامین کے آخر میں حوالوں کا اہتمام کیا ہے کہ مضمون کب اور کس رسالے میں شائع ہوا۔ یہ اس بات کی دلالت ہے کہ موصوف تنقیدی ذہن کے ساتھ ساتھ تحقیقی مزاج رکھتے ہیں۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ صفحہ 73 پر انصاری کی تاریخ ولادت اور وفات پر سوالیہ نشان لگایا گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں ان غلطیوں کو دور کر لیا جائے گا۔

کتاب کی پشت پر اردو ویک، ریویو کے مدیر ساجد عارف اقبال نے منظور وقار کی شخصیت اور ادبی کارناموں پر مختصر لیکن جامع گفتگو کی ہے۔ کتاب کے سرورق پر منظور وقار نے 17 ادبی شخصیات کی تصاویر کو آویزاں کیا ہے۔ کتاب ڈاکٹر مظفر اقبال کے نام معنون ہے۔ کتاب کی طباعت اطلاع دلچسپ کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ منظور وقار کے یہ مضامین قارئین و ناقدین کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ اس موقعے پر راقم الحروف منظور وقار کو کتاب کی اشاعت کے لیے مبارک باد پیش کرتا ہے۔

❖❖

بقیہ: 'کفن' موت کی نہیں زندگی کی کہانی ہے

(صفحہ 3 سے آگے)

ان کا یہ یقین انھیں زندگی کے بدترین جرم کرنے کے ڈنک سے بچا لیتا ہے۔

دوسرے دن کو کفن دینے کی مذہبی، سماجی اور اخلاقی ذمہ داری سے خود کو چھڑا کر اس احساس جرم سے خود کو بچا لیتے ہیں۔ بے فکری کے ساتھ شراب خانے میں داخل ہوتے ہیں اور اپنی دیرینہ آرزو پوری کرتے ہیں۔ گھیسو اور مادھو شراب خانے میں شراب کی بوتل لے کر بیٹھتے ہیں تو ان کی سوچ اور رویے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہ خوب شراب پیتے ہیں اور سیر ہو کر کھاتے ہیں، بچا ہوا کھانا ایک فقیر کو دے کر مستی میں ناچتے گاتے ہیں اور بدمست ہو کر گر پڑتے ہیں۔ ان کے عیش کی یہ انتہا تھی کہ وہ دکھوں اور فکروں سے نجات پا کر مست ہو جائیں۔ ان کی اس کیفیت کے پیدا کرنے میں شراب خانے کا ماحول اور شراب کا نشہ مددگار ثابت ہوا ہے پر انھوں نے مذہبی معتقدی کی باتیں کر کے خود کو گناہوں کے احساس سے آزاد کر لیا۔

افسانہ نگار نے گھیسو کی مذہبی گفتگو اور مادھو پر عقیدت کا رنگ چڑھ جانے کا ذکر کیا ہے۔ وہ دونوں مذہبی تعلیمات میں اپنے کرتوت کو چھپا کر بدھیا کو سورگ پہنچا دیتے ہیں۔ وہ بدھیا کی عظمت بیان کرتے ہیں تاکہ اس کی آڑ میں اپنی خباثت کو چھپا سکیں۔ گھیسو کے مطابق وہ خوش نصیب ہے جو اتنی جلدی سنسار کے مایا جال کے بندھن کو توڑ کر چلی گئی۔ وہ کسی راہرو کی طرح بدھیا کے سورگ میں بڑے مرتبے پر پہنچنے کی بات کر کے خود بھی سکون محسوس کرتے ہیں۔

گھیسو اور مادھو موت کے کالے سائے میں بھی زندگی کے سب سے بڑے سکھ اور مسرت کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ یہ ان کی زندگی کی خوشیوں سے بھرپور لمحات ہیں خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ پریم چند چاہتے تو کہانی یہیں ختم ہو سکتی تھی کیوں کہ موت پر زندگی کی فتح کا جشن اپنے انجام پر پہنچ کر بدہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ پریم چند اسے ثابت کرنے کے لیے کبیر کے دوہے کو پیش کرتے ہیں۔ گھیسو اور مادھو کہانی کے آخر میں بدمست ہو کر گاتے ہیں۔ (ٹھگنی کیوں نینا جھمکاوے، کدو کاٹ مردنگ بناوے، نیبو کاٹ مجیرا، پانچ تروئی منگل گاوے، ناچے بالم کھیرا اور روپا پیر کے روپ دکھاوے، سونا پیر رجھاوے، گلے ڈال تلسی کی مالا، تین

لوک بھرما ہے۔)

کبیر کی ٹھگنی مایا ہے جو انسان کو کئی طرح سے رجھاتی ہے۔ اس میں مذہبی رسم و رواج بھی شامل ہیں۔ کبیر نے گلے ڈال تلسی کی مالا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ اس میں آخرت کے متعلق معتقد بھی ہیں۔ یہ سب چیزیں ترغیب دلاتی ہیں۔

سوامی وویکانند کا قول ہے کہ سورگ کا راستہ نرک سے ہو کر جاتا ہے۔ گھیسو اور مادھو ایسے ہی نرک کے راستے پر چل کر زندگی کی سب سے بڑی خوشی اور لذت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ افسانہ 'کفن' کی روح تک پہنچنے کے لیے ہمیں عہد وسطیٰ کے ان مذہبی معتقد کو ذہن میں رکھنا ہوگا جن کے مطابق آخرت کے عذابوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ریاضتوں اور عبادتوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ تلسی داس نے رام چرت مانس میں یہی بات کہلوائی ہے (تجی مایا سے ای پر لوکا رست ہی سکل بھو مسکھو ہوگا)۔

'کفن' عہد وسطیٰ کی مذہبی سوچ کے خلاف نئے احساس کی کہانی ہے۔ اس کے مطابق آخرت ایک واہمہ ہے، اس لیے اس کی آرزو بے معنی ہے۔ زندگی ہی آخری سچائی ہے۔ میتھلی شرن گپت جیسا شاعر بھی زندگی کو سورگ بنانا چاہتا ہے۔ پریم چند کے عہد میں مغرب میں خدا کا تصور دھندلا گیا تھا۔ پریم چند بھی آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس کہانی میں وہ ایسے بنیادی نکتے ہیں جن سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہانی میں کبیر کی موجودگی آخرت کو چیلنج کرتی ہے اور زندگی کی برتری کو ظاہر کرتی ہے۔ مردہ جسم کو نیا کفن مہیا کرنے اور زندوں کو پھٹے پرانے کپڑے تک نہ ملنے کا سوال اٹھا کر زندگی پر موت کو ترجیح دینے والی مذہبی سوچ کو رد کیا گیا ہے۔ افسانہ نگار موت پر فخر کرنے کے بجائے زندگی کا احترام کرنا چاہتا ہے، اسی لیے یہ کہانی موت کی کہانی نہ ہو کر زندگی کی کہانی بن کر ابھری ہے۔

محمد اسد اللہ
30، گلستان کالونی، نزد پانی کی ٹنکی، امراؤتی، جعفر نگر، ناگپور-440013
E-mail: zarnigar2005@yahoo.com
Mobile No. 9579591149

بقیہ: مولانا اسلم جیراج پوری کا نادر کلام

(صفحہ 8 سے آگے)

(6)

ہاں دیکھو شب وصل بھی آنکھیں نہ ملاؤ
لگ جائے نہ دھبا کہیں دامن حیا میں
کیا لذت بیداد ہے کرتا ہوں دعا میں
اللہ کرے اور ترقی ہو جفا میں
تن تن کے کہتا ہے ترا خنجر بے دام
آ جائے نہا ہو جسے آپ بقا میں
شب فرقت کی ظلمت اک بلا ہے
نہیں آتی قضا بھی جس کے ڈر سے
اللہ دل ناداں نے تجھے پائے وفا میں
کمبخت کہاں جا کے پھنسا زلف دوتا میں
ڈر ہے نہ پڑے فرق تری طرز جفا میں
اللہ کرے آئے نہ تاثیر دعا میں
سودا کرے کیوں گیسوئے پرخم کا کسی کے
کیا کام کوئی جا کے پھنسے آفت بلا میں
تیوروں سے ملیں آنکھیں تو وہ بولے بگڑ کر
کیا کرتے ہو پڑ جائیں گے چھالے کف پا میں
کیا قہر ہے ہم راہ لیے غیر کو اسلم
آیا ہے ستم گر مری بزم عزا میں
(گلبن سخن، بھوپال، ص 4)

(7)

ایک دن اپنی قبر کو آپ چلے تو سہی
قید زنجیر تعلق سے نکلے تو سہی
یاد آ جائے مجھے اپنا دل مرحوم پھر
اک کلی بکھی سی چمن میں مسلے تو سہی
خون عاشق بھی حنا کی طرح لاتا ہے رنگ
دیکھیے وہ پھٹنے کے ہاتھوں کو وہ ملے تو سہی
(پیام یار لکھنؤ، اپریل 1900، ص 7)

(8)

تصور اس کے کوچہ کی زمیں کا
سماں دکھلائے گا خلد بریں کا
گیا ارمان و حسرت دل سے نکلیں
خیال آتا ہے اک پردہ نشیں کا
وہ آئیں یا قضا آئے شب غم
کوئی غم خوار ہو جان حزیں کا
قضا کو بھی شب غم موت آئی
کوئی پرساں نہیں جان حزیں کا
نشان نقش قدم ہے جس کے سر پر
فلک پر ہے دماغ اس سر زمیں کا
کوئی پوچھے ہمارے دل سے اسلم
مزہ عشق بتان نازنیں کا
(گلبن سخن، بھوپال، ص 4)

(9)

بھلا بتایئے تو کیا خطا ہوئی مجھ سے
جو آپ بزم سے اپنی اٹھائے دیتے ہیں
مجھ ایسے سوختہ جاں کی نہ داستاں سنیے
کہ اس کے شعرے کلیجہ جلائے دیتے ہیں
جو دیکھتے ہیں کسی حور وش کی تیغ ستم
ہمارے زخم جگر مسکرائے دیتے ہیں
ہمارے آہ و فغاں بھی غضب ہیں اے اسلم
کہ آسمان و زمیں کو ہلائے دیتے ہیں
(پیام یار لکھنؤ، جون 1900، ص 5-6)

لالہ سری رام نے ان کا ذکر خم خانۂ جاوید (جلد اول، ص 296) میں کیا ہے اور بطور نمونہ چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
شائستہ منزل، 641، پورہ ملا ی، عقب آواس وکاس،
اعظم گڑھ-276001، یوپی
E-mail: azmi408@gmail.com
Mob. 9838573645

مولانا اسلم جیراج پوری کا نادر کلام

محمد الیاس الاعظمی

ہندستان کے نامور عالم و مصنف، ادیب، شاعر، نقاد، محقق، مورخ، سوانح نگار، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ابتدائی دور کے استاد اور اس کے ترجمان ماہنامہ 'جامعہ' دہلی کے فاضل مدیر مولانا محمد اسلم جیراج پوری (1882-1955) ابن مولانا سلامت اللہ جیراج پوری ایک بڑے عالم و مصنف کی حیثیت سے بے حد مشہور و ممتاز ہیں۔ ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہوئی ہیں:

تاریخ الامت (سات جلدیں)، تاریخ قرآن، تاریخ نجد، حیات جامی، حیات حافظ، سیرت عمرو بن عاص فاتح مصر، خواتین، محجوب الارث، فضائل زبان عربی، ارکان اسلام، عقائد اسلام، علوم عرب، مقالات اسلم وغیرہ۔

مولانا محمد اسلم جیراج پوری، موضع جیراج پور، ضلع اعظم گڑھ کے ایک ممتاز علمی خانوادے کے فرد تھے۔ ان کے والد اور دادا سب اپنے عہد کے نامور عالم و فاضل تھے۔ ان کے ماموں مولوی شیخ اللہ مدرسہ سلیمانیہ بھوپال کے مہتمم تھے۔ ان کی وفات کے بعد مولانا اسلم کے والد مولانا سلامت اللہ اعظم گڑھ سے اپنے بزرگ کی جگہ مدرسہ بھوپال کے مہتمم مقرر ہوئے۔ قدسیہ محل میں رہتے تھے۔ بھوپال ہی میں انتقال کیا اور اسی کی خاک کا پیوند ہوئے۔ مولانا اسلم جیراج پوری کا بچپن وہیں گزرا اور ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی۔ بھوپال میں وہ 1903 تک رہے۔

(بھوپال میں اردو تحقیق و تنقید کا ارتقا، ص 77-276)

مولانا محمد اسلم جیراج پوری ابتدا میں ایم اے او کالج علی گڑھ اور پھر تا حیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں استاد رہے اور بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ 28 دسمبر 1955 کو دہلی میں انتقال کیا۔

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ ایک خوش فکر اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری کا ذکر عموماً نہیں کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ ان کی دینی و اخلاقی نظموں کا مجموعہ "جواہر ملیہ" کے نام سے عرصہ ہوا جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے شائع کیا تھا۔ البتہ ان کی غزلیہ شاعری کا غالباً لوگوں کو سرے سے علم نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عہد شباب میں انھوں نے بھرپور داد سخن دی۔ ان کا شمار ذی لیاقت اور صاحب فکر و نظر شعرا میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں احسن بلگرامی پھر حکیم معشوق علی جوہر سے مشورۂ سخن کیا۔ جمیل سہوانی سے بھی انھوں نے اصلاح لی اور بقول لالہ سری رام عرصۂ دراز تک استاد کو فیض صحبت اٹھایا۔ آخر میں غزل گوئی ترک کر کے اخلاقی نظموں کی طرف مائل ہو گئے۔

مولانا محمد اسلم جیراج پوری نے عہد شباب میں روایتی انداز کی غزلیں کہیں جو اس دور کے مختلف گلدستوں 'گلشن سخن' بھوپال اور ماہنامہ 'پیام یار' لکھنؤ وغیرہ میں شائع ہوئی تھیں۔ راقم الحروف کو ان کی درج ذیل 9 غزلیں ان گلدستوں سے ہاتھ آئی ہیں:

(1)

یوں نہ ہوں جان سے بیزار محبت والے
ظلم کرتے ہیں بہت حسن کی دولت والے
طلب بوسہ پہ تم مجھ پہ خفا ہوتے ہو
کبھی سائل کو جھڑکتے نہیں ہمت والے
بوئے وہ ہم نے دکھائی جو شبیہ یوسف
ان سے بہتر نہیں دنیا میں ہیں صورت والے
ساقیا کیا ہو انھیں بادہ کشوں کی ہوس
مے الفت سے رہا کرتے ہیں جو متوالے
کہتے ہیں شمع پہ پروانے تصدق ہو کر
جان یوں جل کے دیا کرتے ہیں الفت والے
گردش گنبد گرداں کا انھیں کیا ڈر ہے
خود ہی چکر میں رہا کرتے ہیں وحشت والے
حیرت و حسرت و رنج و غم افسوس و الم
شب فرقت میں ہیں یہ سب مری صحبت والے
دن کو صدمہ ہے نیا رات کو آفت ہے نئی
کبھی راحت نہیں پاتے ہیں محبت والے
مجھ کو حیرت ہے کہ دل آپ کا کیوں ہے پتھر
ہیں سوا آپ تو گل سے بھی نزاکت والے

(پیام یار لکھنؤ، فروری 1900، ص 8-7)

(2)

تو برا مجھ کو نہ کہہ بہت اچھا میں ہوں
اے مری جان ترا عاشق شیدا میں ہوں
ہر جگہ ہو مرا کیوں طالب دیدار نہ ہو
عاشق جلوۂ معشوق سراپا میں ہوں
قد موزوں ترا کہتا ہے کہ ہوں میں شمشاد
چشم کہتی ہے تری نرگس شہلا میں ہوں
درد ہے سوز ہے حسرت ہے پشیمانی ہے
کس مصیبت میں گرفتار خدایا میں ہوں
ہائے رے بے خبری یہ نہیں اب تک معلوم
کون محبوب ہے وہ جس پہ کہ شیدا میں ہوں
باغ ہے جوش بہاراں ہے گھٹا چھائی ہے
ساقیا کیوں نہ بھلا طالب صہبا میں ہوں
جب سے عشق اس بت کافر سے کیا ہے اسلم
ہر طرف خلق میں بدنام ہوں رسوا میں ہوں

(پیام یار لکھنؤ، جنوری 1900، ص 2)

(3)

ہمیں گر آزماتے ہیں تو پہلے یہ بھی وہ کہہ دیں
ملے گا کیا کوئی ہمارا امتحاں ہو کر
نہ پورا وار کر تجھ کو قسم اپنی نزاکت کی
تڑپنے دے مجھے مقتل میں قاتل نیم جاں ہو کر
کبھی ایفا نہیں ہوتا ہے وعدہ ان حسینوں کا
یہ جب اقرار کرتے ہیں تو رہ جاتی ہے ہاں ہو کر

(پیام یار لکھنؤ، اپریل 1900، ج 18، ص 7)

یہ غزلیں بھوپال سے اشاعت کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ گویا دور طالب علمی کی یادگار ہیں۔

(4)

گردش قسمت سے اٹھا ہے اثر تدبیر کا
وہ بھی اب مٹا نہیں جو ہے مری تقدیر کا
وہ آئیں یا قضا آئے شب غم
کوئی غم خوار ہو جان حزیں کا

(گلشن سخن، بھوپال، ص 4)

(5)

ہوئی دار پہ معراج حاصل
ملا ہے خوب اعزاز محبت
کہاں دیکھیں کہاں ڈھونڈیں کدھر جائیں
ملے گا کون ہم راز محبت

(فصیح الملک، مئی 1905، ص 32)

(باقی صفحہ 7 پر)

مدیر: اطہر فاروقی
Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor: Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر: عبدالباری
Printer Publisher: Abdul Bari
مطبوعہ: جاوید پریس، 2096، روڈگران، لال کنواں، دہلی-6
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت: فی شمارہ پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by Abdul Bari on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: Dr Ather Farouqui